OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 4 (October-December 2022)

رواداری سیرت النبی ﷺ اور تاریخ کے آئینے میں

The Legacy of Tolerance in the Life of the Prophet ﷺ and Human History

Jamila

Lecturer, Department of Islamic Studies, Government Girls Degree College, Chamla, Buner

Adnan

Lecturer, Khyber Law College, University of Peshawar

Abstract

The challenge of intolerance has surfaced as a significant concern for the Muslim Ummah, leading to various social and ideological issues. Islam actively discourages intolerance, advocating for patience, forbearance, and mutual respect. The teachings of Islam promote tolerance while denouncing extremism, radicalism, and inflexibility in all its forms. Although Islam permits intellectual and ideological differences, it firmly prohibits hostility, hatred, and conflict arising from such differences. At its core, true tolerance means that individuals can live together harmoniously, regardless of their beliefs, race, color, language, or nationality, without succumbing to prejudice or discrimination. It emphasizes the importance of respecting others' rights and avoiding animosity towards those of different faiths and ideologies, even if one does not agree with their beliefs. Tolerance is a refined hallmark of civilization and a noble facet of human culture — a divine gift to humanity. A closer look at Islamic teachings shows that Islam not only advocates for tolerance but also serves as its leading champion.

The Qur'an clearly states: "There is no compulsion in religion; truth stands out clear from error."(Al-Baqarah 2:256) Likewise, the Seerah (biography) of the Prophet Muhammad ﷺ showcases remarkable examples of tolerance and compassion towards non-Muslims and adversaries. The Rightly Guided Caliphs (Khulafā' al-Rāshidīn) also embodied these principles, setting shining examples of tolerance that have been etched in history. This research paper offers a thorough analytical exploration of tolerance through the lens of the Seerah of the Prophet Muhammad ﷺ and historical contexts, highlighting Islam's universal message of peace, coexistence, and mutual respect.

Keywords: Tolerance, Islam, Seerah, History, Peace

تمہید

عدم رواداری کا مسئلہ امتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ یہ مسئلہ دیگر کئی مسائل کا سبب بنتا ہے۔ اسلام اس کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔ ہمارا مذہب صبر و برداشت اور رواداری کا درس دیتا ہے اور انتہا پسندی، شدت پسندی اور عدم برداشت سے منع کرتا ہے۔ اسلام نے اختلاف کی اجازت دی ہے، لیکن فکری اختلاف کی بنیاد پر آپس میں لڑنا، ایک دوسرے سے نفرت کرنا اور عدم برداشت سے منع کیا ہے۔

رواداری سے مراد یہ ہے کہ انسان فکری و اعتقادی، رنگ و نسل اور وطن و زبان کی بنیاد پر کسی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر تحمل و بردباری سے ایک دوسرے کو برداشت کرے۔ دیگر مذاہب و نظریات کو قبول کئے بغیر ان کے ماننے والوں سے نفرت نہ کرے اور ان کے حقوق کو تسلیم کرے۔ روادار داری انسانی تمدن کا ایک اہم جزو ہے اور اعلیٰ درجے کی شائستہ ثقافت ہے۔ یہ ایک ایسا شاندار چارٹر ہے جسے انسانیت کے لئے مذہب نے عطا کیا ہے۔ اس حوالے سے جب اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نہ صرف رواداری کو برداشت کرنے کا درس دیتا ہے بلکہ اس کا علمبردار بھی ہے، قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[1]

ترجمہ: "دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا ہے"۔

اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ غیر مسلموں اور مخالفوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی اپنے اپنے وقت میں رواداری کی وہ عظیم مثالیں قائم کی ہیں جن کو تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھا جاتا ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں رواداری سیرت النبی ﷺ اور تاریخ کے آئینے میں تحقیقی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

رواداری کا مفہوم

لغوی معنی و مفہوم

لغت کے اعتبار سے "روا" کا معنی جائز سمجھنا اور "داری" کا مطلب رکھنا ہے۔[2]

اُردو کی مشہور لغت "فیروز اللغات" میں لفظ رواداری کی وضاحت درجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"رواداری (ف۔ا۔مث) یعنی رواداری فارسی کا لفظ ہے، بطورِ اسم مؤنث استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں بے تعصبی اور رعایت کے ساتھ کسی فعل کا جائز رکھنا۔"[3]

فرہنگ اردو، فارسی میں رواداری کی درج ذیل تعریف کی ہے:

"روا (اس مذ) جایز مجاز،وداری (اس مث) جایز دانستن کاری یاچیزی یا امری تحمل"[4]

ترجمہ: "رواداری (دو کلمات کا مجموعہ ہے) جن میں روا اسم مذکر ہے اور اس کا معنی کسی بات کو جائز رکھنا ہے۔ یعنی وہ بات جس کی اجازت دی گئی ہو اور (داری) اسم مؤنث ہے اس سے مراد کسی چیز، کام یا معاملے کو جائز سمجھنا اور تحمل اختیار کرنا ہے۔"

رواداری کے لیے عربی میں تسامح کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لفظ تسامح کا مادہ اشتقاق سمح (س۔م۔ح) ثلاثی مجرد ہے، اور اس کا معنی جود و سخاوت اور سہولت ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے اہل لغت کہتے ہیں: "رجل سمح" یعنی سخی آدمی۔[5]

آکسفورڈ لرنرڈ کشنری میں رواداری کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

"Hormony or Tolarance: A state of agreement in feelings interests, opinions"[6]

ترجمہ: "رواداری (انسانی رویے کی) ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں مختلف احساسات مفادات اور تصورات کا معاہدہ ہوتا ہے۔"

مزید اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"The willingness to accept or tolerate, especially opinions or behavior that you may not agree with, or people who are not like your." [7]

ایک اور ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"Broad-mindness, charity, forbearance, indulgence, lenity, magnanimity, open-mindness, patience, permissiveness, sufferance, sympathy"[8]

مذکورہ مختلف اردو، فارسی، عربی اور انگریزی لغات کی روشنی میں اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ رواداری انسان کے ایسے رویے، عمل اور سوچ کا نام ہے جس میں تحمل، برداشت، بردباری، جود و کرم، سخاوت اور دوسروں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے اوصاف حمیدہ پائے جاتے ہیں۔ وہ رویہ، سوچ اور عمل مذہبی تصورات کے حوالے سے بھی ہو سکتی ہے اور

معاشرتی صورت میں بھی، گویارواداری ایک ایسا جوہر ہے جس میں ایک شخص اپنے تصورات اور اعتقادات پر قائم رہتے ہوئے دوسرے شخص کے وجود اور اس کے تصورات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

اصطلاحی معنی و مفہوم

اصطلاحاً رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ انسان، کوئی گروہ یا حکومت ان باتوں کو جنہیں وہ اُصولی طور پر اپنے دائرے میں غلط سمجھتی ہے لیکن دوسروں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں برداشت کرے۔ ان باتوں کو ناپسند کرتے ہوئے دوسرے انسانوں کو جو ان باتوں کو پسند کرتے ہوں ان کو اختیار کرنے دے۔[9]

اس کی اصطلاحی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ ایسی صفت کا نام ہے جو تعصب، انفرادیت، جبر، زبردستی، ہٹ دھرمی کے متضاد ہو اور جس میں کسی فعل کو رعایت کے ساتھ مباح اور جائز رکھا جائے۔ جس میں دوسرے ادیان کے افراد کے تصورات و نظریات کو تحمل سے برداشت کیا جائے۔[10]

رواداری ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا آغاز مختلف ادیان کے محققین اور علماء نے اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں کیا۔ ابن عاشور جو دور جدید کے عظیم محقق گزرے ہیں، نے رواداری کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اسی طرح علامہ ماجد غرباوی لفظ "رواداری" کی تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں کہ رواداری کا لفظ بطور اصطلاح (17-18ء) میں متعارف ہوا۔[11] یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ رواداری مختلف ادیان کے مابین خوشگوار رویے کے اپنائے جانے کا نام ہے۔

بعض نے رواداری کی تعریف یوں کی ہے:

''أن تترك لكل إنسان حرية التعبير عن آرائه وإن كانت مضادة لأرائك. وقريب من هذا المعنى قول (غوبلو) إن التسامح لا يوجب على المرء التخلي عن معتقداته، أو الامتناع عن إظهارها، أو الدفاع عنها، أو التعصب لها، بل يوجب عليه الامتناع عن نشر ارائه بالقوة والقسر والقدح والخداع. أن يحترم المرء آراء غيره لاعتقاده أنها محاولة للتعبير عن جانب من جوانب الحقيقة، وإنما هو واجب أخلاقي ناشئ عن احترام الشخصية الإنسانية'' [12]

ترجمہ: "رواداری سے مراد یہ ہے کہ انسان دوسروں کو آزادی رائے کے بیان کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دے اور اسی بات کے قریب مشہور فلاسفر (Goblo) کا رواداری کے متعلق قول ہے کہ: رواداری انسان پر یہ واجب نہیں کرتی کہ انسان اپنے عقائد کو چھوڑ دے یا اپنے عقائد کا اظہار کرنے سے رک جائے، یا اس کا دفاع کرنے سے رک جائے، یا اپنے عقیدے کے لیے دوسروں کے ساتھ تعصب کے ساتھ کام لے، بلکہ رواداری انسان پر یہ واجب کرتی ہے کہ انسان اپنی آراء اور افکار کو دوسروں پر طاقت، جبر اور دھوکے کے ساتھ لاگو نہ کرے۔ (نیز رواداری) انسان کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ انسان دوسروں کی آراء کا احترام کرے یہ انسان کی شخصی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔"

رواداری ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا آغاز مختلف ادیان کے محققین علماء نے اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں کیا۔ اگرچہ رواداری (تسامح) کا لفظ نص قرآنی میں وارد نہیں ہوا مگر اس کے مترادفات ضرور استعمال ہوئے ہیں۔ احادیث مبار

کہ میں بھی یہ لفظ، آسانی، نرمی، سہولت، معافی، در گزر، بردباری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مسلم محققین میں ابن عاشور جو دور جدید کے عظیم محقق گزرے ہیں، نے رواداری کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

رواداری کے اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے امام محمد طاہر بن عاشور لکھتے ہیں:|

''التسامح في اللغة مصدر، سامحه إذا أبدى له السماحة القوية لأن صيغة التفاعل هنا ليس فيها جانبان فتعين أن يكون المراد بها المبالغة في الفعل مثل : عافاك الله، التسامح وهو لفظ اصطلح عليه العلماء الباحثون عن الأديان من المتأخرين من أواخر القرن الماضي أخذ من الحديث النبوية (بعثت بالحنيفية السمحة) (وقد صار هذا اللفظ حقيقة عرفية في هذا المعنى''[13]

ترجمہ: "(تسامح) رواداری (لغوی اعتبار سے) باب تفاعل سے (مصدر ہے) سامحہ کا معنی ہے جب کوئی کسی کے لئے بڑھ چڑھ کر جو دوسخا کا مظاہرہ کرے۔ کیونکہ یہاں تفاعل کے صیغے میں (طرفین) یعنی دونوں اطراف (موجود نہیں) کیونکہ تفاعل کے خواص میں سے ایک خصوصیت مشارکہ ہے جو کہ یہاں موجود نہیں، یہاں باب تفاعل فعل ثلاثی مجرد کی موافقت میں آیا ہے (اس لئے یہاں اس بات کا تعین ہو گیا کے یہاں اس سے مراد فعل میں مبالغہ ہو گا۔ جیسے اللہ تجھے) ہر شر اور تکلیف سے (محفوظ رکھے) یہاں بھی فعل میں مشارکہ نہیں بلکہ مراد مبالغہ ہے۔"

گویا رواداری ایک ایسا لفظ ہے جس کو متاخرین مذہبی محققین نے پچھلی صدی عیسوی کے اواخر میں بطور اصطلاح اختیار کیا۔ علماء نے اس حدیث نبوی سے اس اصطلاح کو اخذ کیا:

''بعثت بالحنيفية السمحة''[14]

ترجمہ: "بے شک میں دین حنیف یعنی سچے اور اعتدال والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔"

امام ابن عاشور مزید لکھتے ہیں کہ:

"بعد ازاں یہ لفظ رواداری کی اصطلاح میں حقیقت عرفی بن گیا، اس کا مترادف لفظ تساہل ہے۔ لیکن اگر اس لفظ تساہل کو رواداری کے معنی میں استعمال کریں، تو اس کے استعمال سے یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان دینی احکام میں تساہل برتنے کی روش اختیار کرے گا۔ اس لیے محققین نے تسامح کے لفظ کو رواداری کے معنوں میں استعمال کرنے کے لیے خاص کیا۔ اب اس لفظ کو کسی اور لفظ سے بدلنا مناسب نہیں"۔[15]

اقوام متحدہ (UNO) کے ذیلی ادارے یونیسکو (UNESCO) نے 16 نومبر 1995ء کو ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت ہر سال 16 نومبر کو رواداری کا عالمی دن (World Tolerance day) منایا جاتا ہے اس قرارداد میں رواداری کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"Tolerance is respect, acceptance and appreciation of the rich diversity of- our world's cultures, our forms of expression and ways of being human. It also means that one's views are not to be imposed on others."[16]

عصر حاضر میں مذاہب کے درمیان رواداری کی اصطلاح کا استعمال

عصر حاضر میں رواداری کی اصطلاح دنیا میں پائے جانے والے مختلف مذاہب، ادیان، عقائد و تصورات کے درمیان ہم آہنگی کے لیے مخصوص ہو چکی ہے۔ کیونکہ زمانہ ماضی میں اس کی ضرورت اس قدر نہیں تھی جس کی وجہ مختلف ممالک اور سرحدوں کا اختلاف بعد المشرقین والمغربین کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر عصر حاضر میں دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ تنہا کسی ملک کے لیے زندگی گزارنا امر ناممکن بن چکا ہے۔ یا ماضی میں بڑی بڑی سلطنتیں تھی جو کہ اب مختلف ریاستوں اور ملکوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ پھر جدید ٹیکنالوجی کی ترقی نے فاصلوں کو کم سے کم کر دیا ہے۔ اسی لیے اسلام کے ابتدائی دور میں جہاں بھی رواداری (تسامح) کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں اس سے مراد آسانی، بردباری، سہولت، سخاوت لیا جاتا تھا۔ مگر اب یہ اصطلاح صرف مختلف مذاہب، ادیان، ممالک اور علاقوں کے باہمی میل جول اور روابط پر دلالت کرتی ہے۔ کہ کس طرح مختلف عقائد و نظریات کے حامل افراد، معاشرے کے دیگر افراد کے مذہبی و سیاسی و علاقائی حقوق کو برداشت کرتے ہیں۔ چنانچہ "التسامح و منابع التسامح" کے مقدمے میں لکھا گیا ہے:

"فمفهوم التسامح (Toleration) ظهر في القرن ١٨٠١٧ ملتفا تداعيات الحروب والصراعات بين المذاهب والأديان والإتجاهات الفكرية والفلسفية المختلفة التي شهدتها أوروبا ابان القرون الوسط أو أيضا من أجل التوصل إلى صيغ مناسبة تضمن حقوق الإنسان وحرية الرأي والتعبير بشكل متبينا ولجميع أفراد الشعب، وذلك بعد إقصاء سلطة الكنيسة وإنهاء دور رجل الدين في الحياة السياسية . الآن ويراد بالتسامح: موقفا إيجابيا متفهما من العقائد والأفكار يسمح بتعايش الروي والاتجاهات المختلفة بعديدة عن الإحتراب والاقصاء"[17]

ترجمہ: "رواداری (Toleration) کا تصور سترویں اور اٹھارویں صدی میں اس وقت شروع ہوا۔ جب مختلف ادیان اور مذاہب کی حامل اقوام جنگ کی ہولناک نتائج سے آگاہ ہوئیں۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب قرون وسطیٰ میں یورپ کے اندر مختلف مذہبی افکار اور فلسفی مباحث پروان چڑھنا شروع ہوئے اس لیے مذہب کے پر تصادم ٹکراؤ سے بچنے کے لیے اہل چرچ نے اس پر غور کیا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو جو انسانی حقوق اور اظہار رائے کو مساوی طور پر تمام افراد تک پہنچائے یہ وہ دور تھا جب چرچ کے پادری سیاست پر اثر انداز ہونا شروع ہوئے تھے"۔

پس اب رواداری عقائد و افکار کی روشنی میں سمجھا جانے والا ایک ایسا عمل ہے جو صاف و شفاف اور جنگ و جدل سے پاک زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

مذکورہ بالا اصطلاحی تعریفات کے مطابق رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں انہیں ہم برداشت کریں۔ ان کے جذبات کا لحاظ کر کے ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو انہیں رنج پہنچانے والی ہو اور انہیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل سے روکنے کے لیے زبردستی کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ اس قسم کا تحمل اور اس طریقے سے لوگوں کو اعتقاد و عمل کی آزادی دینا نہ صرف ایک مستحسن عمل ہے بلکہ امن و سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

رواداری قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید رواداری کا درس دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں رواداری قائم کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور مفسرینِ کرام نے اس نکتہ کو احسن طریقے سے بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں قرآن کریم میں رواداری سے متعلق آیات ذکر کیے جا رہے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[18]

ترجمہ: "اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، اللہ سب کچھ جاننے والا ہے، ہر چیز سے باخبر ہے۔"

اس آیت کریمہ نے مساوات کا یہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ کسی کی عزت اور شرافت کا معیار اس کی قوم، اس کا قبیلہ یا وطن نہیں ہے؛ بلکہ تقوی ہے، اور اللہ تعالی مختلف قبیلے، خاندان یا قومیں اس لیے نہیں بنائیں کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتائیں؛ بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بے شمار انسانوں میں باہمی پہچان کے لیے کچھ تقسیم قائم ہو جائے۔[19]

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾[20]

ترجمہ: "اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لیے ہر وقت تیار رہو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرو، انصاف سے کام لو، یہی طریق تقوی سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ یقیناً تمہارے تمام کام سے پوری طرح باخبر ہے۔"

رواداری کے سلسلہ میں یہ آیت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، کہ رواداری کو عدل کا مترادف قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مذہب تہذیب، ثقافت، زبان یا رنگ نسل میں اختلاف رکھنے والے ہر شخص کے ساتھ خواہ وہ دوست ہو یا دشمن اس کے ساتھ آپ عدل و انصاف کا معاملہ کریں۔ اس کے مذہب وغیرہ کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ نہ کسی طرح کی زیادتی یا ظلم روا رکھا جائے۔ آیت کریمہ کا مطلب یہی ہے کہ کسی قوم سے تمہاری عداوت اور دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف کو چھوڑ دو، بلکہ تم کو تو ہر حال میں انصاف ہی کرنا ہے۔

﴿ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ﴾[21]

ترجمہ: "اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا (مگر کسی کو زبردستی، کسی دین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں؛ اس لیے انہیں اپنے اختیار سے مختلف طریقے اپنانے کا موقع دیا گیا ہے) اور وہ اب ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے"۔

آیت کریمہ میں جس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے وہ رواداری کی ایک اہم بنیاد ہے کہ ہر شخص کے پیشِ نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ مختلف طبقات میں جو مذہبی اور فکری اختلاف ہے، وہ فطری ہے، اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا جائے اور دوسروں کے مذہب، عقائد نظریات وغیرہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جائے اور ان کے ساتھ مذہبی، سیاسی، فکری اور علمی رواداری کا معاملہ کیا جائے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾[22]

ترجمہ: "اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی"۔

یعنی آدمی کو حسن صورت نطق، تدبر اور عقل و حواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی اور اخروی مضار و منافع کو سمجھتا ہے اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔

غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت و بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔[23]

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[24]

ترجمہ: "دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے کہ کسی پر مذہب اور عقیدے کو بدلنے میں زور زبردستی نہ کی جائے، اس کا تعلق دل اور ضمیر سے ہے۔ رواداری میں اس اصول کی بڑی اہمیت ہے۔

اسی حقیقت کو سورۃ الکافرون میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾[25]

ترجمہ: "تمہارے لیے تمہارا دین ہے میرے لیے میرا دین"۔

دوسری آیت میں ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾[26]

ترجمہ: "پھر بھی یہ کافر اگر منہ موڑتے رہیں تو (اے پیغمبر!) آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ واضح طریقے سے پیغام پہنچا دو"۔

یعنی اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ کچھ غم نہ کھایئے، آپ اپنا فرض ادا کر چکے، کھول کھول تمام ضروری باتیں سنا دی گئیں، آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔[27]

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک غیر مسلم غلام تھا، جس کا نام وسق تھا، حضرت کی دلی خواہش تھی کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائے تو اس کو کوئی ذمہ داری دے دی جائے۔ آپ نے اس سے بار بار اپنی خواہش کا اظہار بھی فرمایا، لیکن اس نے ہمیشہ انکار کیا حضرت عمر اس کے انکار پر ہمیشہ یہی فرماتے: "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" پھر آپ نے اسے آزاد بھی فرما دیا۔[28]

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾[29]

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو"۔

اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی رہتے ہیں تو مسلمانوں کو اس کی اور ہدایت ہے کہ وہ امن و سلامتی، عدل و انصاف، مساوات و رواداری، ہمدردی و یکجہتی، فیاضی اور انسانیت نوازی پر مشتمل اسلامی تعلیمات سے غیر مسلم حضرات کو روشناس کرائیں اور ان کو مؤثر نصیحت اور حکمت کے ساتھ دین کی دعوت پیش کریں۔ لیکن کسی طرح دباؤ ڈالنے اور زور

زبردستی کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اگر وہ نہ مانیں اور مذہب کے سلسلہ میں مذاکرات اور بحث و مباحثہ کرنا چاہیں تو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مذہبی گفت و شنید ہونی چاہیے۔

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[30]

ترجمہ: "(مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو، اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہو (اور وہ یہ ہے) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں"۔

آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ آپ اہل کتاب کو توحید خالص کی دعوت دیں جو مسلمان اور اہل کتاب میں قدر مشترک ہے۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[31]

ترجمہ: (مسلمانو!) "جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں"۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے ان کے معبودوں کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال نہ کریں، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے اور جس طرح اللہ تعالی کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔[32]

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا﴾[33]

ترجمہ: "اور میرے (مومن) بندوں سے کہہ دو کہ ایسی بات کیا کریں جو بہترین ہو، درحقیقت شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے، شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دشمن ہے"۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب ان کے غیر مسلموں کے ساتھ گفتگو ہو تو ان کے ساتھ بھی خوش اسلوبی کے ساتھ بات کیا کریں؟ کیوں کے غصہ کے عالم میں سخت قسم کی باتوں سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے اور اسکی باتیں شیطان اس سے کہلواتا ہے کہ ان سے فساد پیدا ہو۔[34]

﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾[35]

ترجمہ: "اس انداز سے آپ جواب دیجئے، جسے بہتر کہا جائے، آپ دیکھیں گے کہ جن کے اور آپ کے درمیان عداوت تھی وہ حمایتی دوست ہو جائیں گے"۔

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾[36]

ترجمہ: "اور جب جاہل لوگ ان (عباد الرحمٰن) سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو سلامتی کی بات کہتے ہیں"۔

یعنی ان کی بد کلامی اور گالی گفتار کا جواب برے الفاظ میں دینے کے بجائے شریفانہ انداز میں دیتے ہیں۔[37]

یہاں نمونے کے طور پر صرف چند آیات اور ان کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، ورنہ جن آیتوں میں عدل وانصاف، رواداری اور انسانی حقوق کی رعایت کا حکم ہے وہ خاص ہی ہیں۔

رواداری احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں بھی رواداری سے متعلق احکامات ملتے ہیں جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

ترجمہ: "(افضل ترین ایمان یہ ہے کہ) تم لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور ان کے لیے وہی چیزیں ناپسند سمجھو جو تم خود اپنے لیے ناپسند سمجھتے ہو"۔[38]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ:

«اتَّقِ اللَّهِ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»[39]

ترجمہ: "اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو اور برائی کے بعد اچھائی کر دو کہ وہ اس کو مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ"۔

حسن اخلاق سے پیش آنے کا حکم تمام لوگوں کے ساتھ دیا گیا ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اور حسن اخلاق میں قولی و فعلی دونوں طرح کے اچھے اخلاق شامل ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتی ہے کہ:

«يَا عَائِشَةُ» إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاه"[40]

ترجمہ: "اے عائشہ! اللہ نرمی (اور خوش خلقی) پسند کرتا ہے اور خود بھی نرم ہے اور دیتا ہے نرمی پر جو نہیں دیتا سختی پر اور نہ کسی چیز پر"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی وہ وصیت جو دشمنوں سے مقابلہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرماتے وقت ارشاد فرمارہے ہیں، اس میں دشمنوں اور غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے اور ظلم وزیادتی سے اجتناب کرتے رہنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اللہ کا نام لے کر اور اس کے سہارے روانہ ہو جاؤ اور اللہ کے رسول کی ملت پر قائم رہو، کسی بہت بوڑھے شخص، بچے، نابالغ اور عورت کو قتل مت کرنا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مال غنیمت ایک ساتھ جمع کرلینا، آپس میں معاملات درست رکھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنا، بے شک اللہ تعالی اچھا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے"۔[41]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: "خبر دار جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے یا اس کے حق میں کمی کرے یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو قیامت کے روز میں اس کا وکیل ہوں گا (کہ بارگاہ الٰہی میں اس کا مقدمہ پیش کروں گا)"۔ [42]

رسول رحمت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا»[43]

ترجمہ: "جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو تک بھی نہ سونگھ سکے گا، حالاں کہ اس کی خوشبو اتنی دور سے پہنچتی ہے کہ اس کی مسافت چالیس برس میں قطع کی جا سکتی ہے"۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "مجھے میرے پروردگار نے منع کیا ہے کہ میں کسی معاہد پر یا کسی دوسرے شخص پر ظلم کروں"۔ [44]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ:

قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ إِذْ عَاهَدَهُمْ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ»[45]

ترجمہ: "عہد رسالت میں میری ماں جو کہ مشرکہ تھیں، میرے پاس آئیں، میں نے اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے دریافت کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں، کیا میں اپنی (غیر مسلم) ماں کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ہاں تم اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو"۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی سخت تاکید ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں۔ [46]

غیر مسلموں کی جان و مال کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے جان و مال کو حاصل ہے۔ حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ:

ترجمہ: "رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے عہد میں ایک غیر مسلم ذمی کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کیا گیا"۔ [47]

رواداری سیرت النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور تاریخ کے آئینے میں

سرکار دو عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اللہ تعالی نے رحمت اللعالمین قرار دیا ہے۔ یہ لقب اور شرف ایسا ہے جو کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیا گیا، سچ ہے:

آئے دنیا میں بہت پاک و کرم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر **48**

رحمۃ للعالمین وہی عظیم ترین شخصیت قرار پائے گی، جس نے امن عالم کے قیام و استحکام کے لیے ساری زندگی صرف کی ہو، جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو، جس نے غریبی و امیری، جوانی و پیری، امن اور جنگ، رنج وراحت، حزن و مسرت، ہر موقع اور مقام پر انسانیت کی رہنمائی کی ہو، جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپائی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہاں

بانی، غلاموں کو سلطانی شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو، جس نے تمام افراد بشر کو بھائی بھائی قرار دیا ہو، جانی دشمنوں کو پروانہ امن و امان عطا کیا ہو، غیر مسلم ذمیوں کو جان ومال، عزت و آبرو اور دیگر حقوق انسانی کی حفاظت میں مسلمانوں کے ہم پلہ اور مساوی قرار دیا ہو، رحمت اللعالمین وہی ہے جس نے تمام بنی نوع انسان کو انسانی قومی، قانونی اور مالی مساوات کا درس دیا ہو، جس نے یہودیوں عیسائیوں، منافقین اور تمام مخالفین کے ساتھ بے نظیر رواداری اور عدل وانصاف کا معاملہ کیا ہو اور ان کے ہر طرح کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی ہو، جس نے انسانوں کے تمام طبقات ،امیر وغریب ، عوام وخواص، بوڑھوں، بچوں، جوانوں، مردوں ،عورتوں، نیک و بد، محنت کشوں ،مزدوروں، غلاموں، کنیزوں کے ساتھ رواداری و غم گساری ، مساوات و ہمدردی کے جذبات سے معاشرے کو آراستہ کیا ہو۔

سیرتِ مبارکہ ﷺ اور رواداری

سرورِ عالم ﷺ کی حیات طیبہ رواداری، مساوات و ہمدردی اور غم خواری غم گساری عفوودرگذر اور رحم وکرم کے واقعات سے معمور نظر آتی ہے۔

عام انسانوں کی خدمت ان کی حاجت روائی اور اشک شوئی سے سرکار دوعالم کو بڑی دل چسپی رہی، خدمت خلق چوں کہ دعوت کا راستہ ہموار کرتی ہے، دلوں کے بند دروازے کھولتی ہے؛اس لیے اللہ تعالی نے نبوت دینے سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو خدمت خلق کی تربیت دی۔

خدمت خلق کے دائرے میں سرکار دوعالم ﷺ نے رشتہ داروں کا ہمیشہ خیال رکھا، ان کے ساتھ حسب مراتب معاملہ کیا، ان کے حقوق کی ادائیگی میں پیش پیش رہے، تیموں، بیواؤں اور بے نواؤں کی خبر گیری کی اور ان کی امداد فرمائی، بے روزگاروں کی مالی مدد اور مظلوموں، مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری فرمائی اور نبوت کے ساتھ سرفراز کیے جانے سے پہلے بھی مکہ میں امن وامان کے قیام کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں برابر شریک رہے۔

پہلی وحی کے نزول کے وقت جب سرکار دوعالم ﷺ پر اضطراب کی خاص کیفیت طاری ہوئی تو آپ اپنی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور غار حرا میں حضرت جبرئیل کے آنے اور سورۃ اقراء کی ابتدائی آیات کے نازل ہونے کا تذکرہ کیا اور یہ فرمایا کہ مجھے اپنے اوپر ڈر لگ رہا ہے، یہ واقعہ میرے لیے ناقابل برداشت سا ہے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور بندگان الہی کی خدمت کے وہ کام یاد دلائے جو آپ انجام دیتے تھے۔ فرمایا:

" كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ"[49]

ترجمہ:"اللہ کی قسم !اللہ آپ کو بے یارومددگار نہیں چھوڑے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور تکلیف میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔"

امن وامان کے قیام واستحکام کے لیے معاہدے

1۔ حلف الفضول

حضرت سرور عالم ﷺ کی بعثت کے وقت اور اس سے پہلے مکہ کے حالات نہایت پر آشوب تھے، جنگ و جدال کا بازار گرم تھا، دوسروں پر ظلم ایک عام بات تھی، زبیدی نام کا ایک تاجر مکہ میں آیا، قریش کے سردار عاص بن وائل نے اس سے سامان تجارت خریدا اور اس کا پورا حق اسے نہیں دیا، زبیدی نے اہل مکہ سے فریاد کی، کچھ لوگوں کو اس مظلوم پر رحم آیا اور انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو کر ایک معاہدہ کیا کہ مکہ کی سرزمین پر اب ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا، مظلوم کی مدد کی جائے گی اور ظالم ظلم سے روکا جائے گا، اس معاہدے میں سرور عالم ﷺ کی ذات گرامی بھی شامل تھی، باقی جو لوگ تھے ان میں فضیل بن حارث، فضیل بن ودعۃ اور فضل نامی افراد تھے، اس لیے اس کا نام حلف الفضول رکھ دیا گیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج بھی کوئی ظلم کے خلاف آواز اُٹھانے، مظلوموں کی مدد کرنے کے لیے معاہدہ کرے تو سب سے پہلے میں اس میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوں۔[50]

2۔ میثاق مدینہ

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے سیاسی استحکام اور تمدنی واجتماعی نظم کی تکمیل کے لیے ایک تاریخی معاہدہ کی دفعات طے فرمائیں، جس میں مسلمانوں اور دیگر باشندگان مدینہ کی مشترک دینی، سیاسی، اور تمدنی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کو ملحوظ رکھا گیا اور اقلیتوں کے تحفظ اور ان کے ساتھ اشتراک وتعاون کے لیے حسب ذیل دفعات شامل فرمائی گئیں۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک معاہدہ ہے جو مسلمانان قریش، مسلمانان مدینہ اور ان لوگوں کے درمیان نافذ ہو گا جو مذکورہ جماعتوں کے ساتھ متفق وحلیف بن گئے ہیں اور ان کے ساتھ محاربات میں شریک رہے ہیں۔

1. یہ تمام معاہد جماعتیں (قریش، مہاجرین، انصار، یہود معاہدین) دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلہ میں ایک جماعت اور ایک قوم شمار ہوں گی۔
2. مہاجرین قریش بجائے خود ایک جماعت ہیں اور وہ اپنے مجرموں کی جانب سے دیت کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ خود ادا کر کے چھڑائیں گے، یہ سب کام ایمان وانصاف کے اصول کے ماتحت ہوں گے۔

اس کے بعد انصار کے مختلف قبائل کے نام مثلاً بنی عوف، بنی ساعدہ، بنی الحارث، بنی جشم، بنی النجار وغیرہم کے نام لے آپ ﷺ نے ہر ایک کے متعلق یہی ذکر فرمایا کہ ان میں سے ہر قبیلہ بجائے خود ایک جماعت ہے اور وہی اپنے مجرموں کی جانب سے ادائے دیت اور فداء اسیر ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا اور یہ تمام کام اصول دیانت و انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

3. مسلمانوں کا کوئی مفلس شخص اگر کوئی ایسا جرم کر لے جس پر دیت واجب ہوتی ہے یا قید ہو جائے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمانوں کو لازم ہو گا کہ وہ اس کی جانب سے دیت ادا کریں یا اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑائیں، خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق نہ رکھتا ہو صرف اسلام میں شریک ہو۔

4. مسلمانوں پر فرض ہو گا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علیٰ الاعلان مخالفت کریں جو کہ فتنہ وفساد برپا کرتا اور مخلوق سے ظلماً تاوان وصول کرتا ہو اور خلق خدا کوستاتا ہو تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر اس کے خلاف کام کرنا لازم ہے، اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔
5. کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہو گا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم محارب کو مدد دے اور اس کی اعانت کرے۔
6. خدا تعالی کی پناہ اور ذمہ داری اور عہد ایک ہے، یعنی اگر کسی ایمان دار بندے نے کسی کو خدا کی پناہ دی تو دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کا پورا کرنا لازم ہے، خواہ وہ پناہ دینے والا ادنیٰ درجہ کا مسلمان کیوں نہ ہو۔
7. اگر کوئی قوم مسلمانوں کی کسی جماعت کے خلاف برسرپیکار ہو تو مسلمانوں کو مسلمانوں کی اعانت ضروری ہے۔
8. جن یہودیوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیا ہے ان کے متعلق مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مدد اور ان کے ساتھ مواسات (خیر خواہی حسن سلوک) کا برتاؤ کریں، ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کسی ظالم کی مدد کی جائے۔
9. چوں کہ تمام مسلمانوں کی صلح ایک ہے؛ اس لیے کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ صرف اپنی رائے سے کسی قوم کے ساتھ بدون مشورہ باقی مسلمانوں کے صلح کرلے، مگر جب کہ اس نے تمام قوم کے رجحان اور تمام قوم کے ساتھ انصاف اور مراعات حقوق کا لحاظ کرلیا ہو تو خیر۔
10. مسلمانوں کو پابندی عہد میں اعلی مقام پر رہنا اور ارفع ترین مکارم اخلاق کا ثبوت دینا اسلامی فریضہ ہے۔
11. جن مسلمانوں نے اس معاہدہ کو مان کر اس کی پابندی کا اقرار کرلیا ہے اور خدائے قدوس پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کی دفعات میں تغیر یا کوئی نئی بات پیدا کریں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے معاملہ رکھیں جو عہد نامہ ہذا کا احترام نہ کرتا ہو۔
12. اگر کسی امر میں تمہارے آپس میں اختلاف ہو جائے تو خدا (قرآن مجید) اور رسول (حدیث شریف) کی طرف رجوع کر کے اس کا فیصلہ کرالو۔
13. اس معاہدے کے بعد یہود پر بھی لازم ہو گا کہ وہ مسلمانوں کی اس وقت مالی امداد کریں جب کہ وہ کسی قوم کے ساتھ برسرپیکار ہوں۔
14. ۔یہود بنی عوف مسلمانوں کے حلیف اور معاہدہ ہیں، یہود اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہب کے سوا باقی امور میں مسلمان اور یہود بنی عوف ایک جماعت شمار ہوں گے، ہاں جو ظلم اور عہد شکنی یا کوئی جرم کرے گا وہ اس کی جزا کا مستحق ہو گا۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے یہود کی دوسری جماعتوں کے نام لے کر مثلاً یہود بنی النجار، یہود بنی الحاز، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس کے متعلق بھی تصریح فرمادی کہ ان تمام یہود کے (چوں کہ سب نے معاہدہ قبول کرلیا تھا) یہود بنی عون کی طرح حقوق ہوں گے۔

15۔ اگر مسلمان اور یہود معاہدین کے خلاف کوئی تیسری قوم جنگ کرے تو ان تمام معاہدین کو متفق ہو کر لڑنا ہو گا اور مسلمان لشکر اپنے مصارف کا ذمہ دار ہو گا۔

16۔ معاہد فریقین پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں اور کوئی معاہد اپنے معاہد کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ کرے اور مظلوم کی مدد کی جائے۔

17۔ اپنے پڑوسیوں کو اپنی جان کے برابر سمجھو، بشرطیہ کہ وہ پڑوسی مضرت رسانی اور جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔

18۔ اگر کوئی عورت بھاگ کر آجائے تو اس کو اس کے اعزاء کی اجازت کے بغیر پناہ میں نہ لیا جائے۔

اس تاریخی معاہدے نے مدینہ منورہ میں امن وامان کے استحکام اور باشندگان مدینہ کی اکثریت اور اقلیتوں کے شہری و تمدنی حقوق و فرائض اور آپسی اشتراک عمل اور پر امن بقائے باہم کے لیے ماحول نہایت سازگار بنادیا، یہ سرکار دوعالم ﷺ کی رواداری کی اور سیاسی تدبر کی بہترین مثال ہے۔

3۔ صلح حدیبیہ

اسی طرح سن 6 ہجری میں آپ ﷺ نے عمرے کے لیے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے، کفار مکہ نے آپ ﷺ کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا، قریش کے نمائندوں سے مذاکرات ہوئے اور صحابہ کرام کے دلی جذبات کے برعکس صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوا، جس میں دس سال کے لیے جنگ بندی، طے پایا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں گے، اگلے سال آئیں گے اور عمرہ کریں گے، تین دن قیام کر کے واپس ہو جائیں گے، ہمارا کوئی آدمی جنگ بندی کے دوران آپ ﷺ سے آکر ملے گا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے، آپ ﷺ کا کوئی آدمی ہمارے یہاں آتا ہے تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، حضرت علیؓ کو معاہدے کی دفعات لکھنے کے لیے طلب کیا گیا، انہوں نے جب یہ عبارت لکھی کہ: یہ وہ معاہدہ ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پا رہا ہے، سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو رسول مانتے تو جھگڑا ہی کچھ نہ تھا، محمد بن عبد اللہ لکھیے، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ دو، انہوں نے عرض کیا میں یہ جرأت کیسے کر سکتا ہوں، آپ ﷺ نے عہد نامے سے "رسول اللہ" کا لفظ خود ہی کاٹ دیا، اور فرمایا اب آگے لکھو! معاہدہ لکھا ہی جارہا تھا کہ سہیل کے صاحبزادے ابو جندلؓ جو مسلمان تھے کسی طرح مکے سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچ گئے، تاکہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں، سہیل نے انہیں مارا اور واپس لے جانے کا مطالبہ کیا، ہر چند کہ مسلمان اور خود رسول اکرم ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ انہیں واپس نہ جانے دیا جائے لیکن آپ نے سہیل کے شدید اصرار پر ان کو واپس جانے دیا۔

نبی کریم ﷺ نے دوسروں کے جذبات کا لحاظ اور فیاضی و رواداری کی ایسی مثال پیش کی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

کفار و مشرکین کے ساتھ رواداری

(1) کفار مشرکین کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی رواداری اور حسن سلوک کی ایک بہترین مثال طائف کے سفر میں نظر آتی ہے، جب کفار مکہ نے ظلم و زیادتی کی حد کر دی تھی، مکہ کی سرزمین اسلام کے لیے وسعت کے باوجود تنگ سے تنگ ہوتی گئی تو آنحضرت ﷺ نے طائف کا دعوتی سفر فرمایا اور قبیلہ بنو ثقیف کے سربراہان سے گفتگو کی، انہوں نے منفی جواب دیا؛ بلکہ مذاق اڑایا، طائف کے اوباش اور غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا گیا، ان بدمعاشوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کا لہولہان کر دیا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب آپ ﷺ سے ان مشرکین کے لیے بددعا کی درخواست کی تو رحمۃ للعالمین

ﷺ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، بلکہ دین اسلام کی دعوت دینے والا اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ وہ (مجھے) نہیں جانتے۔[51]

(2) اس سلسلے میں حضرت ثمامہؓ بن اثال کا واقعہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک لشکر کو نجد کے علاقے کی طرف روانہ فرمایا جو واپسی میں اپنے ساتھ قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک آدمی ثمامہؓ بن اثال کو قیدی بنا کر لائے اور اسے مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"اے ثمامہ! تمہارے پاس کہنے کو کیا ہے؟ اس نے کہا: اے محمد ﷺ! میرے پاس کہنے کو اچھی بات ہے، اگر آپ مجھے قتل کرتے ہیں تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو سزا کا واقعی حق ہے اور اگر آپ ﷺ مجھ پر احسان کرتے ہیں تو ایسے شخص پر احسان کرتے ہیں، جو محسنوں کا شکر گزار رہتا ہے، اور اگر آپ ﷺ کو بدلے میں مال چاہیے تو مجھ سے بتائیں؛ تاکہ آپ ﷺ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے' آپ ﷺ نے یہ سن کر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ اگلے دن آپ ﷺ نے پھر اسے یہی سوال کیا اور اس نے وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ پھر تیسرے دن بھی آپ ﷺ نے اس سے یہی سوال کیا، جس پر اس نے وہی جواب دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے بعد حکم فرمایا کہ ثمامہ کو آزاد کر دیا جائے۔ ثمامہ وہاں سے نکل کر مسجد نبوی کے قریب ہی ایک نخلستان میں گئے اور غسل کیا۔ پھر واپس مسجد نبوی لوٹ آئے اور بلند آواز میں کہا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اے محمد ﷺ! روئے زمین میں مجھے سب سے زیادہ آپ کے چہرے سے نفرت تھی، لیکن اب یہی چہرہ میرا محبوب ترین چہرہ ہے۔ روئے زمین میں مجھے سب سے زیادہ نفرت آپ ﷺ کے شہر سے تھی، لیکن اب یہی شہر میرا محبوب ترین شہر ہے۔ آپ ﷺ کے لشکر نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب کہ میں عمرے کی نیت سے جا رہا تھا۔ اب مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں"۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں بشارتیں دیں اور عمرہ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ جب حضرت ثمامہ مکہ پہنچے تو کسی نے طنز کیا کہ تم تو بے دین ہو گئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں! بلکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ پر اسلام لایا ہوں اور خدا کی قسم! اب تمہارے پاس علاقہ یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا؛ تا آں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہی اس کی اجازت مرحمت فرما دیں۔"

ثمامہؓ نے اپنے وطن پہنچ کر مکہ بھیجا جانے والا اناج بند کر دی۔ اہل مکہ قحط سے بلبلا اٹھے۔ انہوں نے سرورِ عالم سے درخواست کی کہ غلہ جاری کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے ثمامہؓ کو لکھا کہ غلہ بدستور مکہ بھیجا کریں۔[52]

(3) جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف لشکر کشی کی۔ راستے میں دوپہر کا وقت ہوا اور آرام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس علاقے میں کثرت سے جھاڑیاں تھیں۔ آپ ببول کے ایک درخت کے سایے میں استراحت فرمانے لگے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی اور لوگ بھی منتشر ہو کر مختلف درختوں کے نیچے پناہ گیر ہو گئے، یہ کیفیت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آواز دی، ہم حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آیا اور میری تلوار کھینچ لی۔ میں بیدار ہوا تو یہ تلوار کھینچے ہوئے میرے سر پر کھڑا

تھا۔ اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ۔ اس نے تلوار نیام میں کر لی، اس کے بعد بیٹھ گیا اور یہ وہ شخص ہے جو تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہے" راوی بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔[53]

(4) سرور عالم ﷺ کی نوازش و کرم اور بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ دلداری اور احسان کا ایک نمونہ وہ تھا، جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو قبر میں اتارا گیا۔ آپ وہاں تشریف لائے حکم دیا کہ اس کو قبر سے نکالا جائے۔ اس کے بعد آپ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اپنا لعاب دہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔[54]

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلا جارہا تھا اور آپ ﷺ نے نجران (شہر کا نام ہے) کی چادر اوڑھی ہوئی تھی جس کا کنارہ موٹا تھا اور آپ ﷺ کو ایک گاؤں کا آدمی ملا اور آپ ﷺ کو چادر سمیت کھینچا بہت زور سے کہ میں نے دیکھا آپ ﷺ کی گردن کے موہرے پر چادر کی نشان بن گیا۔ اس کے زور سے کھینچنے کے سبب سے، پھر کہا: اے محمد ﷺ! حکم کرو میرے لیے اس مال میں سے کچھ دینے کا جو اللہ کا دیا آپ کے پاس ہے۔ سو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنسے اور حکم کیا اس کو کچھ دینے کا۔[55]

(6) کفار و مشرکین نے مکہ مکرمہ میں وہ کون سا ظلم تھا جو سرکار دو عالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ روانہ رکھا ہو۔ آپ ﷺ کو جادوگر، شاعر اور کاہن کہا گیا۔ آپ کو جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی گئی، آپ پر پتھروں اور سنگریزوں کی بارش کی گئی، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ ﷺ کا گلا گھونٹا گیا نماز کی حالت میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی، آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے تیار کیے گئے، تین سال تک شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کو محصور رکھا گیا، جس میں ببول کے پتے کھا کر گزارہ کرنے کی نوبت آئی، طائف میں آپ ﷺ کو سخت اذیت پہنچائی گئی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں اور اتنا زدوکوب کیا کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے لبریز ہو گئے، آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا، آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سکون و اطمینان سے رہنے نہیں دیا گیا، اور طرح طرح کی یورشیں جاری رکھی گئیں، یہود کے ساتھ مل کر رحمت عالم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بند مہم چھیڑ دی گئی، فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ کو موت اپنے سامنے نظر آرہی تھی، ان کو خطرہ تھا کہ آج ان کی ایذا رسانیوں کا انتقام لیا جائے گا، سرکار دو عالم ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: اے قریشیو! تم کو کیا توقع ہے، اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا: ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

"میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ ؑ ؑ ؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج تم پر کوئی الزام نہیں؛ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔[56]

کیا انسانی تاریخ اس رحم و کرم کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

یہودیوں کے ساتھ رواداری

(7) حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ:

"یقیناً اللہ کے رسول ﷺ ایک یہودی خانوادے پر صدقہ کیا کرتے تھے، جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی جاری رکھا گیا"۔[57]

(8) زید بن حسنہؓ (یہودی، قبول اسلام سے قبل) آپ ﷺ کے پاس آیا اور قرض کا مطالبہ کیا، جو آپ ﷺ نے اس سے لیا تھا، پھر اس کے بعد اس نے کپڑا پکڑ کر آپ ﷺ کے شانہ مبارک سے زور سے کھینچا اور اپنی مٹھی میں کپڑے کو لے لیا اور سخت الفاظ میں بات کی، پھر کہا کہ تم عبد المطلب کی اولاد! بڑے ٹال مٹول کرنے والے ہو حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑ کا اور سخت لہجے میں بات کی لیکن رسول اللہ ﷺ کا رویہ مسکراہٹ کا رہا، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمر! ہم اور یہ شخص تمہاری طرف سے دوسرے رویے کے مستحق تھے، مجھے تم قرض جلد ادا کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کو نرم طریقے سے تقاضہ کرنے کو کہتے! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی مدت ادائیگی میں ابھی تین دن باقی ہیں، بہر حال آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا اور بیس صاع اس کو مزید دینے کو فرمایا، کہ یہ اس کا معاوضہ ہے جو حضرت عمرؓ نے اس کو خوف زدہ کر دیا تھا، اور پھر یہی بات اس کے اسلام کا باعث بن گئی۔[58]

یہودیوں کے مختلف قبائل مدینے میں آباد تھے، نبی اکرم ﷺ کے مدینے ہجرت فرما جانے کے بعد، ابتداء یہود غیر جانب دار اور خاموش رہے، لیکن اس کے بعد وہ اسلام اور نبی رحمت ﷺ اور مسلمانوں کے تئیں اپنی عداوت اور معاندانہ رویہ زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکے، انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی، خفیہ سازشیں کیں، بغاوت کے منصوبے بنائے، آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملایا، آپ کو شہید کرنے کی تدبیریں سوچیں، اسلام اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کی ایک وجہ یہودیوں میں حسد، تنگ دلی، اور جمود و تعصب کا پایا جانا تھا، دوسرے ان کے عقائد باطلہ، اخلاق رذیلہ اور گندی سرشت تھی لیکن قربان جایئے رحمت عالم ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نہایت اعلی اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ ایک اہم معاہدہ کیا تا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان خوش گوار تعلقات قائم ہوں، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں اور مشکلات میں ایک دوسرے کی مدد کریں، معاہدے کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

عیسائیوں کے ساتھ رواداری

عیسائیوں کے ساتھ بھی سرور عالم ﷺ نے مثالی رواداری برتی۔ مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان واقع "نجران" کا ایک موقر وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا، انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ مذہبی معاملات میں گفتگو کی، عیسائیوں کے ساتھ اس موقع پر ایک تاریخی معاہدہ ہوا، جس میں عیسائیوں کو مختلف حقوق دینے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ معاہدے کی دفعات درج ذیل ہے:

1. ان کی جان محفوظ رہے گی۔
2. ان کی زمین جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضے میں رہے گا۔
3. ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی۔ مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدے پر برقرار رہیں گے۔
4. عورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔
5. ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔

6. ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔
7. اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔
8. ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔
9. ان کے معاملات اور مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔
10. ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔
11. سود خوری کی اجازت نہ ہو گی۔
12. کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔
13. اور کوئی ظالمانہ زحمت نہ دی جائے گی۔

مذکورہ بالا جو حقوق اسلام نے دیگر اقوام اور رعایا کو عطا کیے ہیں، ان سے زیادہ حقوق تو کوئی اپنی حکومت کو بھی نہیں دے سکتی۔

جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں، اس کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کی پناہ میں ہیں؛ اسی لیے ان کو ذمی کہا جاتا ہے۔ اسلامی قانون یہ ہے کہ جو غیر مسلم (ذمی) مسلمانوں کی ذمہ داری میں ہیں، ان پر کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں پر ایک ہی لازم ہے، جیسی خود مسلمانوں پر ظلم ہو تو اس کا دفاع کرنا ضروری ہے۔[59]

سیرتِ خلفائے راشدین اور رواداری

سیرت خلفائے راشدین نبی کریم ﷺ کی سیرت کے بہترین عکاسی کرنے والے ہیں اس لیے ذیل میں خلفائے راشدین اور رواداری کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

1۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رواداری

اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق ایک سریہ (لشکر) حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ فرمایا تو ان کو حسب ذیل ہدایات دیں:

> ترجمہ: ''خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مال غنیمت کو نہ چھپاؤ، کسی مقتول کی صورت نہ بگاڑو، کسی بچے یا بڑے بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرو، کھجور کے درخت کو قطع نہ کرو، نہ جلاؤ اور نہ کسی دوسرے پھل دار درخت کو کاٹو، اور کوئی بکری یا گائے یا اونٹ بجز کھانے کی ضرورت کے ذبح نہ کرو''۔[60]

2۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رواداری

اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے معاہدات، جو اہل ذمہ کو لکھ کر دیئے گئے۔ کتب روایت و تاریخ میں مشہور و معروف ہیں، اور اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ انہی پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ان میں سے ایک عہد نامے کی نقل پیش کی جاتی ہے، جو قدس (ایلیا) کے اہلیان کو لکھ کر دیا گیا ہے:

> ''بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ امان نامہ ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ایلیا کے باشندوں کو دیا ہے۔ انہوں نے ان کی جانوں، ان کے مال، ان کی کلیساؤں، ان کی صلیبوں کو تحفظ دیا ہے چاہے وہ بری حالت میں ہوں یا اچھی حالت میں اور ان کے تمام اہل مذاہب کو بھی یہی تحفظ دیا ہے کہ ان کی کلیساؤں میں

کوئی نہیں رہے گا، نہ ان کو گرایا جائے گا، نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ اس کے سامان میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کی صلیبوں یا ان کی مال میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ ان کے دین میں ان پر کوئی زبردستی ہو گی اور نہ ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے گی"۔[61]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنفس نفیس غیر مسلموں کے حالات کی نگرانی رکھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ بصرہ سے ایک وفد آیا تو ان سے پوچھا کہ وہاں مسلمان غیر مسلم شہریوں کو کوئی تکلیف تو نہیں دیتے؟ وفد کے لوگوں نے کہا کہ نہیں، جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ غیر مسلموں کو ان کے حقوق دیتے ہیں۔[62]

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک بوڑھے یہودی کے پاس سے ہوا، جو بھیک مانگ رہا تھا، آپؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنے گھر سے کچھ دیا۔ پھر بیت المال کے نگراں سے کہا کہ اس شخص جیسے لوگوں کو دیکھو، اللہ کی قسم اگر ہم اس کی جوانی کو کھا جائیں اور بڑھاپے میں اسے بے یارومددگار چھوڑ دیں تو یہ ہمارا انصاف نہیں، چنانچہ آپؓ نے اس جیسے بوڑھوں سے جزیہ لینا بند کر دیا اور بیت المال سے ان کا وظیفہ دینے کا حکم دیا۔[63]

شہادت سے کچھ ایام پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو جو وصیتیں فرمائیں ان میں یہ وصیت بھی شامل تھی کہ:

"اور میں اپنے بعد آنے والے کو ان (غیر مسلموں) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جن کی ذمہ داری اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لیے (اگر جنگ کرنی پڑی تو) جنگ کی جائے اور ان کو کسی ایسی بات کا مکلف نہ کیا جائے جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو"۔[64]

3۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی رواداری

حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت بھی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے شاندار ریکارڈ کا حامل ہے۔ آپؓ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے دربار میں ایک یہودی شعبدہ بازی کے کرتب دکھارہا تھا۔ حضرت جندبؓ بن کعب ازدی بھی تماشائیوں میں تھے۔ آپؒ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا۔ آپ نے ان شعبدوں کو شیطانی اثر سمجھا اور یہودی کو قتل کر دیا۔ ولید نے اسی وقت آپ کو گرفتار کر لیا اور قصاص میں قتل کرنے کے لیے جیل بھیج دیا۔ آپ نے داروغہ جیل ابوسنان سے پوچھا کہ کیا تو بھاگنے میں میری مدد کرے گا۔ اس نے کہا: ہاں اور پھر حضرت جندب کو جیل سے بھاگنے میں مدد دیتے ہوئے کہا: یہاں سے بھاگ جا اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھے گا۔

جب ولید نے آپ کو قتل کرنے کے لیے طلب کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تو بھاگ گئے ہیں۔ ولید نے داروغہ کو نگرانی میں کوتاہی کرنے کے جرم میں قتل کر دیا۔

4۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی رواداری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ امیر المومنین تھے، اس وقت قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ حضرت علیؓ کی ایک زرہ گم ہوئی تھی۔ آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی جو اسے بیچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یہودی نے کہا کہ یہ تو میری زرہ ہے اور میرے قبضے میں ہے، چنانچہ معاملہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں پہنچا۔

قاضی شریح نے حضرت علیؓ سے گواہ مانگے۔ حضرت علیؓ نے ایک گواہ قنبر کو پیش کیا اور دوسرے گواہ کے طور پر اپنے بیٹے کو پیش کیا۔ حضرت قاضی شریح نے فرمایا کہ بیٹے کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہیں ہے۔ چنانچہ یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔[65]

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ رواداری کی اصطلاح 18 ویں صدی عیسوی کے آخر میں ظاہر ہوئی اس سے پہلے یہ لفظ اپنے موجودہ معنی و مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا تھا اس اصطلاح کو 20 ویں صدی میں مذاہب کے ساتھ استعمال کیا جانے لگا جب سائنسی ترقی کی بدولت فاصلے کم ہونے لگے اور مختلف مذاہب کے افراد ایک دوسرے کے قریب آئے تو معاشرے میں امن و امان کی فضا برقرار رکھنے کے لیے، رواداری کا لفظ اور اصطلاح زبان زد عام ہونے لگے۔ رواداری بنیادی طور پر انسانی طبیعت میں پایا جانے والا ایک ایسا وصف ہے جو برداشت، تحمل، عفو درگزر، وسعت، کشادگی اور لطف و کرم جیسے اخلاق حمیدہ کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رواداری کا معنی سخاوت، کرم، مہربانی اور لین دین میں کشادگی اور نرمی کیا جاتا ہے۔ رواداری کی صفت کو مذہب کے ساتھ خاص کرتے ہیں تو اس کا معنی مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تحمل، برداشت، وسعت قلبی، کشادگی، اعتدال پسندی اور میانہ روی کے ساتھ باہم معاملہ کرنا ہے۔

بیشک اتحاد و اتفاق کسی بھی قوم کی ترقی اور اعلی اہداف کے حاصل کرنے نیز سربلندی اور کامیابی کے حصول میں معجزانہ کردار رکھتا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کا اتحاد ایک اہم ترین مسئلہ اور ناقابل انکار ضرورت ہے۔ مسلمانوں میں مسلکی عصبیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس سے کئی اسلامی تعلیمات مجروح ہونے لگی ہیں۔ آج مسلمانان عالم طرح طرح کے مسائل میں مبتلا ہیں اور اس کی بنیادی وجہ نا اتفاقی، فرقہ وارانہ منافرت، مسلکی تعصبات، حُب جاہ و اقتدار، حسد، بغض اور دوسرے مادی مفادات، عدم برداشت اور عدم اتحاد ہے۔ مسلمانوں کی عظمت و عزت و سربلندی سب کچھ اختلافات کی نذر ہو گیا۔ اسلام کے دشمن متحد ہیں اور ان کا اتحاد اسی نکتے کی افادیت سے بخوبی آگاہی کی بنا پر ہے۔ اور وہ مختلف سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں باہمی اختلاف پیدا کرنا یہود و نصاری کا پرانا طریقہ ہے۔

قرآن کریم میں یہود و نصاری کی اس نفسیات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ متعدد آیات میں مسلمانوں کو متحد و متفق رہنے کا حکم دیتا ہے، تفرقے و اختلافات سے دور رہنے، غور و فکر سے کام لینے اور صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ آپس کا اتحاد، تقوی و اخوت کے اصولوں پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس وسعت قلبی ہو کیونکہ "وحدت و اخوت" فراخی قلب و ذہن چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلم حکمرانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کریں۔

عصر حاضر میں جب رواداری کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ تو یہ اہل مذاہب کے تعلقات کو مختلف جہتوں سے بیان کرتی ہے۔ موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت و اہمیت زمانہ ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ محسوس کی جا رہی ہے۔ کیونکہ ماقبل کے زمانے میں ذرائع نقل و حمل کی اتنی ترقی نہیں تھی مگر جدید ٹیکنالوجی نے دنیا کو گلوبل ویلیج بنا دیا۔ جس کی وجہ سے مختلف ممالک اور مذاہب کے افراد پہلے کے مقابلے میں ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔ چنانچہ مختلف مذاہب اور اعتقاد و نظریات کے پیروکاروں میں میل جول اور باہمی روابط بھی زیادہ ہو گئے۔ جس کی وجہ سے رواداری کی ضرورت پہلے ادوار کی نسبت زیادہ محسوس کی

جاتی ہے۔ مذہب کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے شدت پسندی، انتہاء پسندی اور دہشت گردی جیسے مذموم اور قبیح افعال معاشرتی امن کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ رواداری ہی وہ صفت ہے جس کو فروغ دے کر ان معاشرتی مسائل سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مصادر و مراجع

1 سورۃ البقرۃ:256

2 دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2004، ج2، ص377۔

3 فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز، اردو بازار، لاہور، بلا سن، ص733۔

4 نقوی، سید باحیدر شہریار، فرہنگ اردو فارسی، بک ٹک، لاہور، 1993ء، ص323۔

5 ازہری، ابو منصور محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 2001ء، ج4، ص200۔

6 Jonthan Crowther, Oxford Advanced Learner's Dictionary, Oxford University, New York, 1995, P:544

7 The Collins paperback Thesaurus, Harper Collions Publishers, 1991, P: 638.

8 Oxford Advanced Learner's Dictionary, Seventh edition, Oxford University press, 2005, P: 1615.

9 متین طارق، اسلام اور رواداری، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1986ء، ص11۔

10 مختصر اردو لغات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، انڈیا، 1987ء، ص533۔

11 غرباوی، ماجد التسامح و منابع الا تسامح فرص بین الادیان والثقافیات، مدین، قم ایران، 1427ھ، ص5۔

12 صلیبا، جمیل الرحمان، المعجم الفلسفی، دار الکتاب البنانی، بیروت، 1994ء، ج1، ص272۔

13 ابن عاشور، محمد الطاہر، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، الموسسۃ الوطنیۃ الکتاب، الجزائر، بلا سن، ص226۔

14 ابن حنبل، احمد بن محمد، مسند امام احمد، مؤسسہ قرطبہ، مصر، بلا سن، ج5، ص266، رقم:22345۔

15 ابن عاشور، محمد الطاہر، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، ص226۔

16 https//www.un-documents/net/dpt/htm/

17 غرباوی، ماجد التسامح و منابع الا تسامح فرص بین الادیان والثقافیات، ص5۔

18 سورۃ الحجرات 13:49۔

19 عثمانی، محمد تقی، توضیح القرآن، مکتبۃ معارف القرآن، کراچی، 2008ء، سورۃ الحجرات تحت آیۃ، ج3، ص1585۔

20 سورۃ المائدہ 8:5۔

21 سورۃ ہود 118:11۔

22 سورۃ بنی اسرائیل 70:17

23 عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، دارالاشاعت، کراچی، 1428ھ، 2007ء، تحت آیۃ، ص405۔

24 سورۃ البقرۃ 256:2۔

25 سورۃ الکافرون 6:109۔

26 سورۃ النحل 82:16

27 عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، تحت آیۃ، ص349۔

28 ابن سلام، ابو عبید القاسم، کتاب الاموال، دار الفکر، بیروت، بلا سن، ج1، ص43۔

29 سورۃ النحل125:16
30 سورۃ آل عمران64:3۔
31 سورۃ الانعام108:6۔
32 عثمانی، محمد تقی، توضیح القرآن، سورۃ الانعام تحت آیۃ، ج1، ص416۔
33 سورۃ بنی اسرائیل53:17۔
34 عثمانی، محمد تقی، توضیح القرآن، سورۃ بنی اسرائیل تحت آیۃ، ج2، ص871۔
35 سورۃ حم السجدۃ34:41۔
36 سورۃ الفرقان63:25۔
37 عثمانی، محمد تقی، توضیح القرآن، سورۃ الفرقان تحت آیۃ، ج2، ص1109۔
38 بقوام السنۃ، ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل، الترغیب والترھیب، دار الحدیث، قاہرہ، 1414ھ، 1993ء، ج4، ص48۔
39 الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، 1395ھ، 1975ء، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي مُعَاشَرَةِ النَّاسِ، رقم الحدیث:1987۔
40 النیساپوری، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، بلا سن، كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب فَضْلِ الرِّفْقِ، رقم الحدیث:2593۔
41 ابن الہام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت، بلا سن، ج4، ص436۔
42 المتقی الہندی، علاء الدین علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1401ھ، 1981ء، ج2، ص270۔
43 البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، 1422ھ، كِتَاب الْجِزْيَةِ والموادعہ، بَاب إِثْمِ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا بِغَيْرِ جُرْمٍ، رقم:3166۔
44 المتقی الہندی، علاء الدین علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ، ج2، ص270۔
45 النیساپوری، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، رقم الحدیث:1003۔
46 الزیلعی، جمال الدین ابو محمد عبد اللہ، نصب الرایۃ، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت، 1418ھ، 1997ء، ج4، ص369۔
47 الصنعانی، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، مکتبۃ الاسلامی، بیروت، 1403ھ، ج10، ص101۔
48 صدیقی، آفتاب اظہر، نظام نظامت، مکتبہ عندلیب دیوبند، انڈیا، بلا سن، ص72۔
49 البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، كِتَاب بَدْءِ الْوَحْيِ، باب الْوَحْيِ، رقم الحدیث:3
50 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1419ھ، ج1، ص258۔
51 قاضی عیاض، شفا، ص47، بحوالہ ندوی، سید سلیمان، رحمت عالم ﷺ، دار الکتب السلفیہ، اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، بلا سن۔
52 البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، كِتَاب الْمَغَازِي، بَاب وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ، وَحَدِيثِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ، رقم الحدیث:4372۔
53 ایضاً، كِتَاب الْمَغَازِي، بَاب غَزْوَةُ ذَاتِ الرِّقَاعِ، رقم الحدیث:4136۔
54 ایضاً، كِتَاب الْجَنَائِزِ، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَالِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ، رقم الحدیث:1366۔
55 النیساپوری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ، باب إِعْطَاءِ الْمُؤَلَّفَةِ وَمَنْ يُخَافُ عَلَى إِيمَانِهِ إِنْ لَمْ يُعْطَ، وَاحْتِمَالِ مَنْ سَأَلَ بِجَفَاءٍ لِجَهْلِهِ وَبَيَانِ الْخَوَارِجِ وَأَحْكَامِهِمْ، رقم الحدیث:1057۔

56 ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1415ھ، 1994ء، ج1، ص424۔

57 ابن سلام، ابو عبید القاسم، کتاب الاموال، ج1، ص728۔

58 ندوی، ابو الحسن علی، نبی رحمت ﷺ، مجلس نشریات و تحقیقات، لکھنؤ، بلا سن، ص603۔

59 السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ، 1993ء، ج8، ص851۔

60 محمد شفیع، جواہر الفقہ، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1431ھ، 2010ء، ج2، ص279۔

61 الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید، تاریخ طبری، دار التراث، بیروت، 1387ء، ج3، ص609۔

62 ایضاً، ج4، ص218۔

63 ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب، کتاب الخراج، مطبعۃ السلفیہ، قاہرہ، بلا سن، ص259-260۔

64 عثمانی، محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 1431ھ، 2010ء، ص307۔

65 ایضاً، ص307۔